مطالعہ قرآن حکیم

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمتِ مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمّ المُسبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۸)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... اما بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ
مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى
ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ
وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ
رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ
نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ ...... صدق اللہ العظیم

پچھلی نشست میں ہم نے سورۃ الحدید کی پچیس آیات پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالنے کے بعد چھبیسویں آیت پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ اس آیۂ مبارکہ میں ایک اہم

© rasailojaraid.com

بات پر' جو اگرچہ ضمنی طور پر وارد ہوئی ہے لیکن نہایت گہری علمی اہمیت کی حامل ہے' ہماری گفتگو جاری تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ''نبوت'' اور ''کتاب'' ذرّیتِ ابراہیمؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگرچہ دنیا میں اور علاقے بھی ہیں لیکن تاریخ یہودیت اور تاریخ عیسائیت کے حوالے سے ہمارے پاس ثبوت اسی علاقے کا ہے جسے ہم مشرق وسطیٰ (Middle East) کہتے ہیں۔ درحقیقت اسلام اور ان دونوں مذاہب (یہودیت اور عیسائیت) کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ قرآن مجید نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے جن رسولوں کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی اسی علاقے سے متعلق تھے' یعنی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام۔ اس کے علاوہ پوری دنیا میں دوسرے علاقوں سے' خاص طور پر ہندوستان اور چین' جو تہذیب و تمدن کے بہت قدیم مراکز ہیں' قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بحث نہیں کی ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح اور منطقی ہے' اس لئے کہ قرآن کریم کے اوّلین مخاطب یعنی اہلِ عرب کے پاس ان کے بارے میں واقفیت نہیں تھی۔ لہٰذا خواہ مخواہ ان کا تذکرہ کرنا ان کے لئے گویا ایک لایعنی سی بات ہوتی' کیونکہ اس کے لئے انہیں پہلے تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم دی جاتی' پھر اُن تمام علاقوں میں بھیجے گئے انبیاء و رُسل کا تذکرہ کیا جاتا' جبکہ اس کی قطعاً کوئی حاجت نہیں تھی۔ البتہ اس سے جو اشکال سامنے آ رہا ہے' جسے ہم نے حل کرنا ہے' وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآن کہتا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ ''اور ہر بستی میں ایک خبردار کرنے والا (نبی یا رسول) گزرا ہے'' اور: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ ''اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما (گزرا) ہے''۔ جبکہ دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ رہی ہے کہ کم از کم گزشتہ ساڑھے چار ہزار برس کے دوران تو صرف ذرّیتِ ابراہیمؑ ہی میں کتاب اور نبوت رہی۔

ان دونوں الفاظ ''ہادی اور نذیر'' پر غور کرتے ہوئے یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ ہر لفظ کے کچھ مضمرات ہوتے ہیں' اس کی اپنی ایک connotation

ہوتی ہے۔ لفظ ''ھادٍ'' یا ''ھادی '' (ہدایت دینے والا) ایک عام لفظ ہے۔ اسی طریقے سے ''نذیر'' (خبردار کرنے والا) بھی ایک عام لفظ ہے۔ یہ دونوں لفظ ایسے شخص کے لئے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جو حقائق سے آشنا ہو جائے' چاہے وہ ازخود ہی آشنا ہوا ہو۔ قرآن مجید میں اس کی ایک بڑی اہم مثال موجود ہے۔ اور وہ اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اگر اس کا تذکرہ اتنی وضاحت وصراحت کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ اہم مضمون ہم پر منکشف ہی نہ ہو پاتا۔ اور وہ مثال ہے حضرت لقمان کی۔ آپ نہ نبی تھے' نہ رسول تھے اور نہ ہی ان کے بارے میں کسی نبی یا رسول کے اُمتی ہونے کا کوئی ثبوت ہے۔ وہ بس ایک سلیم الفطرت' سلیم العقل انسان تھے۔ اس سلیم الفطرت انسان نے اپنی عقلِ سلیم کی راہنمائی میں غور وفکر اور سوچ بچار کے ذریعے ان تعلیمات تک رسائی حاصل کر لی جو قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات ہیں' یعنی توحید اور معاد۔ اب تیسری چیز جو رہ جاتی ہے وہ نیکی اور بدی کا امتیاز ہے۔ اس کی تمیز اور اس کا شعور بھی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ودیعت کر دیا ہے۔ نبوت اور کتاب درحقیقت ہدایتِ خداوندی کی معین شکلیں ہیں' لیکن ہدایتِ خداوندی اور انذار صرف نبوت اور کتاب کے ساتھ وابستہ نہیں ہے' بلکہ ایک حکیم اور دانا انسان بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے غور و فکر کے نتیجے میں ان حقائق تک پہنچا ہو اور اپنے ان حقائق اور اپنی علمی اور عقلی یافت کے حوالے سے لوگوں کو خبردار کر رہا ہو' انہیں نیکی کی تلقین کر رہا ہو۔ جیسے سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کا قول نقل ہوا ہے: ﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ﴾ (آیت ۱۷) ''اے میرے بیٹے! نماز قائم کر' نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر' اور تجھ پر جو بھی مصیبت پڑے اس پر صبر کر۔'' تو یہاں انذارِ آخرت بھی ہے' توحید کی تلقین بھی ہے اور شرک کی مذمت بھی۔ اس سورۂ مبارکہ میں شرک کی مذمت میں حضرت لقمان کا قول ہے:

﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾

''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا! یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

© rasailojaraid.com

تو گویا یہ تمام بنیادی حقائق نبوت اور کتاب کے بغیر بھی نوعِ انسانی کی رسائی میں ہیں' بشرطیکہ اس حوالے سے صحیح فکر کے نتیجے میں مختلف حکماء کی توحید تک رسائی ہو جائے' وہ پہچان لیں کہ بس حیاتِ دُنیوی سے پوری تسکین نہیں ہو رہی' ذہن مطمئن نہیں ہو رہا' بلکہ کوئی اور زندگی ہونی چاہئے اور یہ ہو کر رہے گی۔ اور پھر اس حوالے سے انہوں نے انذارِ آخرت بھی کیا ہو۔ تو یہ ''انذار'' اور ''ہدایت'' عام الفاظ ہیں۔ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ہادی اور مُنذر اٹھائے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ نبی ہوں' لیکن کتاب درحقیقت شریعت سے عبارت ہے' یعنی ایک واضح ہدایت کہ یہ کرو' یہ نہ کرو' یہ حرام ہے اور یہ تمہارے لئے واجب اور فرض ہے۔ یہ چیز درحقیقت ذرّیتِ ابراہیمؑ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے' جس کے لئے قرآن مجید میں ایک آیت بھی موجود ہے کہ ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ ''یقیناً میں آپ کو لوگوں کے لئے امام بنانے لگا ہوں''۔

امامت کا مقام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا ہے' درحقیقت اسی کا یہ ایک مظہر ہے کہ ''نبوت'' اور ''کتاب'' جو ہدایت خداوندی کی ایک معین شکل ہے' نسل ابراہیمؑ کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ نسل ابراہیمی کی ایک شاخ وہ ہے جو حضراتِ اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام سے چلی اور زیادہ تفاصیل ہمیں انہی کی معلوم ہیں۔ دوسری شاخ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چلی اور ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ تیسری شاخ حضرت قتورہ سے چلی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی ہیں۔ ان کے کئی بیٹے تھے۔ ہم ان میں سے صرف ایک سے واقف ہیں جن کی نسل قومِ مدین یا مدیان کہلائی ہے' جن میں حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ لیکن ان کی اولاد کہاں کہاں پھیلی ہے' اس کا ہمیں کوئی پختہ علم نہیں۔ جیسے میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت عیس یا عیسو کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں گئے۔ نسل تو وہ بھی ابراہیمؑ ہی کی ہو گی۔ اس نسل میں بھی کوئی نبی آئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے وہ دور دراز کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے ہوں۔ لیکن بہرحال نبوت اور کتاب کی شکل اگر

ہے تو وہ صرف ذریتِ ابراہیمؑ میں ہے۔ باقی عام اخلاقی ہدایات‘ عام اخلاقی تعلیمات‘ کم سے کم توحید کی تلقین اور شرکت کی مذمت‘ یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے چونکہ عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ میں ودیعت کر دی ہیں لہٰذا اس حوالے سے ہر قوم کے اندر کسی نبی‘ یا کسی ہادی یا کسی نذیر کا آنا بالکل قرین قیاس ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی تضاد نہیں۔

یہ آیت مبارکہ ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ﴿فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ۚ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ﴾ ''پس ان میں ہدایت یافتہ بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے''۔ اس سے پہلے فرمایا گیا تھا: ﴿وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی''۔ جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں آئے حضرت نوح علیہ السلام کی نسل میں نبوت و کتاب رہی۔ بعد ازاں حضرت ابراہیمؑ کے بعد اُن کی نسل میں نبوت و کتاب کو مخصوص کر دیا گیا۔ لیکن چاہے وہ ذریت نوحؑ ہو یا ذرّیتِ ابراہیمؑ‘ یہ سب کے سب نیک لوگ نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ وہ بھی ہوئے جنہوں نے ہدایت اختیار کی‘ ہدایت یافتہ ہوئے‘ جبکہ ان میں سے بہت سے وہ ہیں کہ جنہوں نے اس راستے کو چھوڑا‘ اس سے اعراض و انحراف کیا‘ بدعات اور طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوئے اور مشرکانہ اوہام میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو ہدایت پر تھے‘ لیکن ان میں سے بہت سے فاسق اور نافرمان ہیں‘ وہ اللہ کی ہدایت سے مُنہ موڑ کر فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد سلسلۂ ارسالِ رُسل

اس حصے کا اصل مضمون اس دوسری آیت میں آ رہا ہے۔ فرمایا: ﴿ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا﴾ ''پھر ہم نے ان کے نقوش قدم پر اپنے بہت سے رسولوں کو اٹھایا''۔ یعنی حضراتِ نوح‘ ابراہیم علیہما السلام اور اُن کے جو صالح پیرو تھے ان کے نقشِ قدم پر بہت سے رسولوں کو بھیجا گیا۔ ''قفی'' کا مطلب ہے کسی شے کے پیچھے لگنا‘ کسی کی پیروی کرنا۔ اس ''ق ف ی'' مادہ سے اردو میں بھی ایک لفظ بنتا ہے ''قافیہ'' (جمع

© rasailojaraid.com

قوافی)۔ یہ لفظ شعر کے پیچھے آتا ہے جس کے حوالے سے اشعار میں ایک ردھم قائم ہوتا ہے‘ یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ لفظ ’’قَفَّیْنَا‘‘ قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے جن میں سے دو مقامات تو یہی ہیں۔ اس مادے سے صرف ایک جگہ یہ لفظ اس طرح آیا ہے:﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل) ’’اور اس چیز کے پیچھے مت پڑو جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ یقیناً سماعت‘ بصارت اور عقل ان تمام چیزوں کے بارے میں باز پُرس ہو گی‘‘۔ ’’وَلَا تَقْفُ‘‘ کا مطلب ہے مت پیچھے لگو‘ مت پیچھے پڑو اُن چیزوں کے جن کے لئے تمہارے پاس کوئی واضح علم نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں سماعت‘ بصارت اور عقل کی جو صلاحیتیں دی ہیں اس لئے دی ہیں کہ ان کی رہنمائی کو اختیار کرو۔ غور و فکر کرو‘ سوچ بچار کرو۔ پھر دوسری چیز ہدایت ہے جس کے لئے یہ وحی کا سلسلہ ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر طرح طرح کے اوہام ہیں‘ جیسے ستارہ شناسی اور دست شناسی ہے۔ یہ چیزیں ہمارے ہاں ’’occult sciences‘‘ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں علم الاعداد (سائنس آف نمبرز) ہے۔ اگرچہ ان سب کو سائنس کا نام دے دیا گیا ہے لیکن ان کو occult sciences کہتے ہیں۔ قرآن کی راہنمائی یہ ہے کہ ان کے پیچھے نہ پڑو۔ درحقیقت سمع و بصر اور عقل کی جو صلاحیتیں دی گئی ہیں یہ اُن کی ناقدری ہے کہ انسان اِن چیزوں کی پیروی کرے‘ ان کے پیچھے پڑے۔

حضرت عیسٰیؑ اور ان کے متبعین کا تذکرہ

آگے فرمایا: ﴿وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾ ’’اور پھر ہم نے ان کے پیچھے اُٹھایا مریم کے بیٹے عیسٰیؑ کو اور اسے ہم نے عطا کی انجیل‘‘۔ نبوت کے ساتھ کتاب کا ایک خاص ربط ہے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی‘ اور اُن کے بعد جو بہت سے انبیاء بنی اسرائیل ہیں ان کو بہت سے صحیفے دیئے گئے۔ خاص طور پر ایک صحیفہ ’’زبور‘‘ کے نام سے مشہور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا گیا۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو انجیل کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔ آگے فرمایا گیا: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ ’’اور جن لوگوں نے اس کی پیروی کی (یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی) ان کے دلوں میں ہم نے رأفت اور رحمت پیدا کر دی‘‘۔ ’’رأفت‘‘ اور ’’رحمت‘‘ تقریباً مترادف الفاظ ہیں۔ بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جو مترادفات کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں‘ لیکن ظاہر بات ہے کہ دو الگ الگ الفاظ کے دو مفہوم یقیناً ہوتے ہیں اور جب وہ بیک وقت سامنے آتے ہیں تو پھر غور کرنا پڑتا ہے کہ ان کے مابین فرق کیا ہے‘ ورنہ وہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ’’ایمان‘‘ اور ’’اسلام‘‘ مترادف بھی ہیں (ہمارے منتخب نصاب میں یہ الفاظ بار بار استعمال ہوئے ہیں) لیکن ان کا اپنا علیحدہ مفہوم بھی ہے۔ اسی طرح جہاد و قتال‘ نبوت و رسالت اور نبی و رسول تقریباً مترادف بھی ہیں لیکن ان کا علیحدہ علیحدہ مفہوم اور مضمون بھی ہے۔ اس کے بارے میں اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ’’اِذَا تَفَرَّقَا اجْتَمَعَا وَاِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا‘‘ کہ جب یہ جوڑوں کے الفاظ علیحدہ علیحدہ آتے ہیں تو مفہوم تقریباً ایک ہی ہوتا ہے‘ لیکن جہاں دونوں ایک ساتھ آ جائیں گے تو وہاں یقیناً کوئی نہ کوئی فرق ہوگا جس کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یہاں پر بھی رأفت اور رحمت جوڑا بن کر آئے ہیں۔ ان دونوں میں نسبت یہ ہے کہ رأفت اس کیفیت کا نام ہے جس کے تحت کسی کے دکھ اور درد کو انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اس کے لئے فارسی کا لفظ ’’ہمدردی‘‘ مستعمل ہے جو اِس مفہوم کو بہت خوبصورتی سے ادا کرتا ہے۔ جیسے ایک جماعت کے لوگ ہم جماعت اور ایک زمانے کے لوگ ہم عصر کہلاتے ہیں اسی طرح ہمدرد کا مطلب ہے جن کا درد باہم مشترک ہے‘ یعنی ایک دوسرے کے درد کو محسوس کرنے والے لوگ ہمدرد ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے کہا:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

اس ہمدردی کے مادے کو ایک حدیث میں رِفق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((مَنْ یُّحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ)) ’’جو شخص دل کی نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ کُل کے کُل خیر سے محروم ہو گیا‘‘۔ یعنی کٹھور دل‘ سخت دل انسان خیر سے بالکل

© rasailojaraid.com

محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رقیق القلب اور شفیق کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ آپ کا مشفق وہ ہے جسے آپ کے بارے میں اندیشے رہیں کہ آپ کو کہیں کوئی گزند نہ پہنچ جائے' کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے' کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ شفقت ہے۔ والدین کی شفقت یہی ہے کہ انہیں ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اولاد کو کہیں کوئی نقصان نہ ہو' کوئی گزند نہ پہنچے۔ ان تمام کیفیات کے لئے ''رأفت'' درحقیقت ایک جامع عنوان ہے۔ یہ دل کی وہ کیفیت ہے کہ جس میں کسی کے دکھ درد کو انسان خود اپنے باطن میں محسوس کر سکے۔ اس کا نتیجہ نکلتا ہے ''رحمت'' کی صورت میں۔ رحمت یہ ہے کہ اب آپ اس کے درد کو بانٹنے کی کوشش کریں' اس کے ازالے کی کوشش کریں' اس کی تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔ تو رحمت گویا اس کا نتیجہ ہے۔ رأفت اور رحمت اب جوڑے کی شکل میں آئے ہیں اور بیک وقت دونوں الفاظ آئے ہیں تو ان میں یہ نسبت ہے۔ یہ الفاظ یا تو اللہ کے لئے آتے ہیں' جیسے رؤف اور رحیم' یعنی نہایت شفیق' نہایت مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا۔ یا پھر یہ حضور ﷺ کے لئے سورۃ التوبۃ کی آخری سے پہلی آیت میں آئے ہیں: ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''(آپ ﷺ) مؤمنوں کے حق میں نہایت شفیق اور نہایت رحیم ہیں''۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کے لئے بھی یہ الفاظ آئے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے دلوں میں ایک خاص رقتِ قلبی تھی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مابین یہ وصف بہت ہی مشترک تھا۔ اس اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ کی شخصیت کا ایک کامل پرتو تھے۔ یہ ہے رأفت اور رحمت۔

رہبانیت کی اصل حقیقت

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ ''اور رہبانیت کی بدعت خود انہوں نے ایجاد کی تھی' ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا تھا''۔ اس رأفت اور رحمت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جب یہ چیز حدّ اعتدال سے تجاوز کر گئی تو اس نے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ لفظ ''رَہبانیت'' اصل میں کیا ہے۔ عام طور پر ہم رُہبانیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لفظ دونوں درست ہیں لیکن یہاں رَہبانیت ہے رُہبانیت نہیں ہے۔ رَہب کہتے ہیں خوف کو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ﴾ (البقرۃ) ''پس مجھ ہی سے ڈرو''۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:٦٠) '' (مسلمانو!) اپنے دشمنوں کے لئے اپنے پاس حتی الامکان طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے (یعنی وقت کے تقاضوں کے مطابق جدید ترین اسلحہ تیار رکھو) تاکہ تم ڈراؤ (خوف زدہ کرو) اپنے دشمنوں کو بھی اور اللہ کے دشمنوں کو بھی''۔ تو ''رَہب'' کا مطلب ہے خوف۔ رَہب سے ''رَ'' کے زبر کے ساتھ رَہبان بنتا ہے۔ جیسے رَحم سے رَحمان۔ یہ فَعلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے کہ جب کوئی وصف بہت ہی ہیجانی کیفیت میں ہو' طوفانی انداز کا ہو' ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہو۔ اسی طرح کی رحمت ''رحمان'' کے لفظ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ تو رَھبان سے مراد وہ شخص ہے جس کے اندر بہت ہی زیادہ خشیت الٰہی ہو' اللہ کا خوف' آخرت کی باز پُرس کا خوف انتہائی شدت اختیار کر جائے۔ یعنی بہت زیادہ خوف زدہ' بہت زیادہ ڈرنے والا۔ اور ''رَہبانیت'' اس کیفیت کا نام ہے۔ اور اس سے جو ایک نظام وجود میں آتا ہے اس کے لئے گویا کہ یہ بطور اسمِ علَم ہے۔ جبکہ رَہب سے اسم فاعل ''راہب'' ہے اور اس کی جمع ''رُ'' کے پیش کے ساتھ ''رُہبان'' ہے۔ اس سے رُہبانیت بنا ہے جس کا مطلب ہے راہبوں کا طریقہ' راہبوں کا مسلک' راہبوں کا انداز۔ تو ''رُہبانیت'' اور ''رَہبانیت'' کے اس فرق کو نوٹ کر لیں۔ فرمایا گیا: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا﴾ ''اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود اختیار کر لی۔'' اس سے مراد کیا ہے؟ درحقیقت دنیا میں یہ ایک نظام ہے کہ انسان جہاد اور قتال کے راستے سے ہٹ کر کوئی راستہ نکالے اور شیطان انسان کی تمام تر توجہ کو صرف ذاتی اصلاح کے اوپر مرکوز کر دے' اور اس میں اس درجے تشدد ہو جائے کہ انسان اپنی نفس

© rasailojaraid.c

کشی پر آمادہ ہو جائے۔

دیکھئے ایک تو ہے ضبطِ نفس (self control)۔ یہ تو مطلوب ہے' اس کے بغیر تو ظاہر بات ہے کہ انسان بھلائی اور نیکی کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ تقویٰ نام ہی اسی کا ہے کہ پہلے انسان کو اپنے نفس کے اوپر کنٹرول حاصل ہو اور پھر وہ اسے اللہ کے سامنے جھکا دے۔ تو تقویٰ اور ضبطِ نفس گویا کہ تقریباً مترادف الفاظ ہیں۔ لیکن ایک لفظ ہے ''نفس کشی''۔ نفس کشی یہ ہے کہ انسان کے اندر جب یہ جذبہ ایک حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو پھر وہ اپنے آپ کو اذیتیں پہنچاتا ہے' اپنے نفس کو اس کی کوئی بھی مرغوب شے فراہم نہیں کرتا' ہر طرح سے اس کے تقاضوں کو کچل ڈالتا ہے۔ انگریزی میں ''self annihilation'' کا لفظ اس کی بہترین تعبیر ہے۔ یعنی انسان نفس کشی میں اتنا مبالغہ کرے' اتنا تعمق کرے کہ جس کی نفی قرآن مجید میں بھی آئی ہے۔ فرمایا گیا ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف: ۳۲) ''(اے نبیؐ!) ان سے کہئے کہ کس نے حرام کی ہیں زینت کی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں' اور پاکیزہ چیزیں رزق میں سے؟'' بلکہ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ ان چیزوں کو جائز راستے سے حاصل کرو' جائز راستے سے اچھا کھاؤ' اچھا پہنو۔ اسی طرح ادائے حقوق کا معاملہ ہے۔ اللہ کا جو حق ہے وہ ادا کرو' اپنے پڑوسی کا حق ادا کرو' رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ اسی طرح سائلین اور محرومین کا حق ادا کرو۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذّٰریٰت) ''اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ہے''۔ حقوق کے معاملے میں دین کا تصور تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''اور یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔ اس کو بھی اس کا حق پہنچاؤ۔ اس کی جو بھی ضروریاتِ زندگی اور تقاضے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جسم کے اندر جو داعیات رکھ دیئے ہیں ان تمام تقاضوں اور داعیات کو جائز راستے سے پورا کرو۔

دراصل جب نیکی کا جذبہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے' اس میں مبالغہ' تعمق

om

اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر یہ ایک عجیب شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر انسان اپنے نفس کو اُس کے جائز حقوق بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا' بلکہ اُس پر قدغنیں لگاتا ہے۔ ہر طرح کی معاشرتی آسائشوں سے اپنے آپ کو محروم کر کے اور معاشرے سے کٹ کر دُور جنگلوں میں' پہاڑوں کی غاروں میں اور چوٹیوں پر جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص برفانی چوٹیوں پر ننگے بدن کھڑا سردی کو جھیل رہا ہے' تاکہ وہ اپنے نفس کو کچلے۔ یہ ہے درحقیقت وہ رَہبانیت کہ جس کی طرف کچھ لوگ مائل ہو گئے۔ یہ لوگ اپنی نیک نیتی اور نیک دلی سے اس راستے کی طرف گئے' لیکن شیطان نے اُن کے رخ کو موڑ دیا' انہیں divert کر دیا۔ شیطان نے انہیں غلط پٹی پڑھائی کہ بجائے اس کے کہ معاشرے میں رہ کر باطل کے ساتھ مقابلہ کرو' ظلم کا استیصال کرو' بدی کو ختم کرنے کی کوشش کرو' تم معاشرے سے ہی کٹ جاؤ اور جا کر کہیں جنگلوں' غاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرو اور بس اسی نفس کُشی (self annihilation) کے اندر اپنی پوری زندگی بتا دو۔ یہ راستہ درحقیقت رَہبانیت ہے' جس کے بارے میں اسلام میں شدت سے نفی آئی ہے۔

ضبطِ نفس کا اسلامی تصور

مسند احمد بن حنبل میں حضورﷺ کی ایک حدیث ہے: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ)) ''اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں''۔ اسی طرح غالباً مسند احمد ہی کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرمﷺ نے فرمایا: ((رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''اِس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔ یہ حضورﷺ کا نہایت حکیمانہ قول ہے۔ اس سے زیادہ حکیمانہ بات نہیں ہو سکتی' کہ تم اپنے نفس کو تکلیفیں پہنچانا چاہ رہے ہو' یہی تکلیفیں جہاد فی سبیل اللہ میں بھی تو ہیں۔ جب تم غاروں میں بیٹھ کر اپنے نفس کو تکلیفیں پہنچاؤ گے تو اس سے اگر کوئی فائدہ پہنچے گا بھی تو صرف تمہاری اپنی ذات کو پہنچے گا۔ اگرچہ اس میں بہت سے خطرات بھی ہیں جو بہت زیادہ خوفناک نتائج پیدا کر سکتے ہیں' لیکن بالفرض اگر مثبت پہلو ہی سامنے رکھا جائے تو اس سے صرف تمہاری ذات کو

© rasailojaraid.c

ہی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہی تکلیفیں تم اپنے نفس کو جہاد فی سبیل اللہ میں پہنچاؤ۔ وہاں جا کر بھوک بھی ستاتی ہے۔ ایسا وقت بھی آتا ہے' جیسا کہ غزوۂ تبوک میں ہوا ہے' کہ تین تین مجاہدین کے لئے چوبیس گھنٹے کا راشن صرف ایک کھجور ہے۔ اب اس سے زیادہ نفس کشی اور کیا ہوگی۔ لیکن یہ نفس کشی اس راستے میں ہے کہ جس سے دین کا غلبہ ہوگا' نظامِ عدل وقسط قائم ہوگا۔ اس سے بحیثیت مجموعی کروڑوں انسان ظلم' جبر واستبداد اور استحصال کے پھندوں سے نجات پائیں گے۔ ان کے لئے پھر ممکن ہوگا کہ وہ بھی اپنے پروردگار کی طرف کوئی توجہ کریں' اس سے لو لگائیں' اس کے ساتھ راتوں کو کھڑے ہو کر مکالمہ اور مخاطبہ کریں' اس کے ساتھ مناجات کریں۔ لیکن یہ تب ہوگا کہ انہیں ظلم کی چکیوں سے نکالا جائے۔ وہ جو کولہو کے بیل بنے ہوئے ہیں' جو بار برداری کے جانور بن کر رہ گئے ہیں' ان کے لئے کیا ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور کہیں کوئی اعلیٰ خیال بھی ان کے ذہن میں آسکے؟ تو نوعِ انسانی کو اِن بندھنوں سے آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کرو۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس جہاد فی سبیل اللہ میں بھوک بھی آجائے گی' بے آرامی بھی آجائے گی' تکلیفیں بھی آجائیں گی۔ بجائے اس کے کہ غاروں میں جا کر اپنے نفس کو یہ تکلیفیں پہنچاؤ' وہ سارے مقاصد جہاد فی سبیل اللہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ((رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''اِس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔ اور یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کا نقطۂ عروج (climax) یہ آیت ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ......﴾ (الحدید: ۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی' تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں جنگ کی قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں......''

اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ یہ بھی ہے کہ حرام سے اس کو بچالو۔ فرض کیجئے اندر

سے کسی حرام کی خواہش جنم لے رہی ہے تو اپنے نفس کو اُس سے روکو۔ جیسے ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النّزعٰت) ''اور اس نے اپنے نفس کو روکے رکھا (اور اس کی لگامیں کھینچ کر رکھیں) خواہش سے''۔ بشرطیکہ وہ خواہش حرام کے راستے کی ہو۔ لیکن اگر جائز کی خواہش ہے تو اس کے لئے تو فرمایا گیا ہے: ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔ یعنی ادائے حقوق کے اندر یہ بھی شامل ہے کہ اپنے نفس کو اس کا حق ادا کرو۔ رَہبانیت میں نہایت تشدد ہوتا ہے۔ بلکہ میں اس کے لئے تعمق کا لفظ استعمال کرتا ہوں کہ بہت گہرائی میں جانا' چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں بھی' جن کو ہم صغائر کہتے ہیں' نہایت حساس ہو جانا اور اپنے اوپر بہت سختی کرنا۔ اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبویؐ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ)) ''اپنے اوپر زیادہ تشدد نہ کرو (زیادہ سختی نہ کرو' اس نفس کو جائز چیزوں سے تو محروم نہ کرو) ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تم پر سختی کرے گا (اور یہ سختی تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گی) ((فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)) ''اس لئے کہ تم سے پہلے بھی ایک قوم ایسی گزری ہے جس نے اپنے اوپر بہت تشدد کیا (نفس کشی کی انتہا کو پہنچ گئے) تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی''۔ ((فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ)) ''پس ان کلیساؤں' گرجوں اور راہب خانوں میں ان کے بقایا بیٹھے ہوئے ہیں''۔ ان کا جو حشر ہے اس سے اللہ کی پناہ! خود مغربی مؤرخین نے Christian Monasticism کی جو تاریخ مرتب کی ہے اس میں جس طرح کی تفاصیل سامنے آتی ہیں اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی دور میں جن لوگوں نے اس کو ایجاد کیا یقیناً انہوں نے اپنے اوپر بہت تشدد اور سختی کی۔ دراصل کچھ لوگ تو باہمت ہوتے ہیں جو اُس سختی کو برداشت کر جاتے ہیں' اس کی پابندی کر جاتے ہیں' لیکن پھر اُن کے اکثر پیرو اُن چیزوں کی پابندی نہیں کر پاتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بظاہر راہب اور راہبائیں ہیں' غیر شادی شدہ ہیں' لیکن اندر خانے راہب خانوں کے اندر زناکاری

© rasailojaraid.com

ہو رہی ہے' حرامی اولاد پیدا ہو رہی ہے' ان کے گلے گھونٹے جا رہے ہیں اور راہب خانوں کے تہہ خانوں میں ناجائز اولاد کے قبرستان بن گئے ہیں۔

دراصل انسان جب اپنی فطرت سے کشتی کرتا ہے تو کچھ لوگ تو باہمت ہوتے ہیں جو واقعتاً اپنے نفس پر قابو پا لیتے ہیں' اسے کچل دیتے ہیں' لیکن اکثریت کا معاملہ یہ نہیں ہوتا' بلکہ انسان کی فطرت' اس کی سرشت اسے پچھاڑ دیتی ہے' اور پھر انسان جس طرح گندگی کے اندر گرتا ہے اور جس انتہائی پستی تک پہنچتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ اس کا تذکرہ کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ مت کرو اپنے اوپر تشدد۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بار بار آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ قرآن مجید میں تین مقامات بہت اہم ہیں' جن میں کبائر سے بچنے کو کہا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء)

''اگر تم اُن بڑی چیزوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے' اجتناب کر لو گے تو چھوٹی چیزیں ہم خود ہی تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

عام طور پر جب مذہبی مزاج اور مذہبی ذہنیت بنتی ہے اور ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تعمق شروع ہوتا ہے تو پھر بسا اوقات صورت وہ پیدا ہو جاتی ہے کہ مچھر چھانے جاتے ہیں اور سموچے اونٹ نگلے جاتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے علماء پر تنقید کی تھی کہ تمہارا حال یہ ہے کہ مچھر چھانتے رہتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تعمق بھی ہے' تشدد بھی ہے' تکلف بھی ہے اور over emphasis بھی ہے' لیکن بڑی بڑی چیزیں نگلی جا رہی ہیں۔

اسی طرح سورۃ النجم میں فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ﴾ (آیت ۳۲)

''جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں' الا یہ کہ کچھ قصور اُن سے سرزد ہو جاتے ہیں''۔

معمولی چیزیں انسان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ حساس نہیں ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ اصول یہ دیا گیا ہے کہ: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ (ہود: ۱۱۴) "یقیناً نیکیاں چھوٹی چھوٹی برائیوں کا ازالہ کرتی رہتی ہیں"۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ انسان وضو کرتے ہوئے اپنا چہرہ دھوتا ہے تو آنکھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ یہ صغائر ہوتے ہیں۔ فرض کیجیے غیر ارادی طور پر کسی نامحرم پر نگاہ پڑ گئی ہے' اور اُس وقت انسان نے بلاارادہ کوئی تلذذ (Gratification) بھی محسوس کیا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے گا۔ وضو کرتے ہوئے جب آپ آنکھ دھوئیں گے تو اس کی جو کدورت اور کثافت ہے وہ دھل جائے گی۔ ہاں ارادے کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو' ورنہ کبائر تک معاملہ چلا جائے گا۔

تیسرا مقام سورۃ الشوریٰ کا ہے جس میں فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ﴾

"اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں' اور جب بھی وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں"۔

تو حقیقی طرزِ عمل یہ ہے کہ ایک تو اپنی پوری توجہ کو اس جدوجہد پر مرکوز کیا جائے کہ دین غالب ہو' نظامِ عدل و قسط قائم ہو' ظلم' باطل' استحصال اور جبر کا استیصال کر دیا جائے' اور دوسرے خود انسان کبائر سے بچا ہوا ہو' تمام بڑے بڑے گناہوں سے اس نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا ہو تو اللہ تعالیٰ صغائر کو دھوتے رہتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾ "ہم تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے"۔ اور: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ کہ انسان کی اچھائیاں اس کی چھوٹی چھوٹی برائیوں کا خود بخود ازالہ کرتی رہتی ہیں۔ وہ خود بخود دھلتی چلی جاتی ہیں۔

ضبطِ نفس اور اُسوۂ رسول ﷺ

عام طور پر ایک مذہبی مزاج کے اندر جو تشدد اور تعمق پیدا ہو جاتا ہے حدیث نبویؐ میں اس کی بہترین مثال موجود ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

© rasailojaraid.com

سے روایت ہے: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰی بُيُوْتِ النَّبِیِّ ﷺ يَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ ﷺ ''تین اشخاص حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں آئے اور اُن سے حضور ﷺ کی نفلی عبادت کے بارے میں سوال کیا''۔ ظاہر بات ہے فرض عبادت تو سب کے نزدیک متفق علیہ ہے! پانچ نمازیں تو سب کو پڑھنی ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ اور کتنی نمازیں پڑھتے ہیں' یعنی رات کو کتنی دیر تک آپؐ نوافل ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح رمضانِ مبارک کے روزے تو سب نے رکھنے ہی ہیں' حضور ﷺ نفلی روزے کتنے رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ تحقیق کی۔ ان کے اندر نیکی کا جذبہ بہت توانا اور طاقتور ہو کر اُبھر آیا تھا تو انہوں نے اندازہ کرنا چاہا کہ حضور ﷺ کا معمول کیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں: فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا ''جب انہیں اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے اس کو کم تصور کیا''۔ ظاہر بات ہے کہ نہ حضور ﷺ کی زندگی میں کوئی تکلف و تصنع تھا اور نہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے اس معاملے میں' معاذ اللہ' کوئی مبالغہ آرائی ہو سکتی تھی۔ جو صحیح صحیح صورت حال تھی انہوں نے بیان کر دی۔ لیکن ان تین صحابہ ؓ کے اندازے سے یہ بات بہت کم نکلی۔ وہ سمجھتے تھے حضور ﷺ تو شاید ساری رات بستر سے اپنی کمر لگاتے ہی نہیں ہوں گے۔ لیکن انہیں معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تہجد اور نوافل پڑھتے ہیں لیکن رات کو استراحت بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان کا گمان تھا کہ حضور ﷺ تو روزے کا کبھی ناغہ ہی نہیں کرتے ہوں گے' ہمیشہ روزے رکھتے ہوں گے۔ انہیں بتایا گیا کہ نہیں' ایسا نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے روزے رکھنے کا اتنا معمول ہے۔ یہ بات ان کی توقع سے کم تھی۔ راوی فرماتے ہیں: فَقَالُوْا وَاَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ ''اب انہوں نے (اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے) کہا کہ ہمارا حضور ﷺ سے کیا مقابلہ (ہم اپنے معاملے کو حضور ﷺ کے معاملے پر کہاں قیاس کر سکتے ہیں!) جب کہ ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے پہلے ہی معاف کر دیئے ہیں''۔ قَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّیْ اُصَلِّی اللَّيْلَ اَبَدًا ''اب ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو اب ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا

(قطعاً نہیں سوؤں گا)''۔ وَقَالَ آخَرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ ''دوسرے نے کہا میں تو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا (ناغہ نہیں کروں گا)''۔ وَقَالَ الْآخَرُ وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا ''تیسرے نے کہا کہ میں تو عورتوں سے بالکل علیحدہ رہوں گا اور کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔''

فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَيْهِمْ فَقَالَ: ''پس رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا''۔ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو جوں ہی یہ بات معلوم ہوئی آپؐ خود اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ((اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟)) ''کیا آپ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟'' ((اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ)) ''اللہ کی قسم! میرے اندر تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کی خشیت ہے اور میں تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہوں''۔ یہ حضور ﷺ کا بہت ہی غیر معمولی انداز ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ((لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ)) ''لیکن (میرا معمول تو یہ ہے کہ) میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی ناغہ بھی کرتا ہوں)'' ((وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ)) ''اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں'' ((وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ)) ''اور میں تو عورتوں سے نکاح کرتا ہوں (متعدد ازواج میرے گھر میں ہیں)'' ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) ''تو (کان کھول کر سن لو!) جو میری سنت سے اِعراض کرے گا (جسے میری سنت پسند نہیں ہے) اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ یعنی ہے تو یہ نیکی کا جذبہ جو بڑا مشتعل ہو گیا ہے، بہت ہی قوی ہو کر اُبھرا ہے، لیکن جان لو کہ اسے حدِ اعتدال میں اگر نہ رکھا تو حضور ﷺ کے اُسوہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ آپ کا اُسوہ اور سنت تو درحقیقت اس اعتدال پر مبنی ہے کہ نفس کا بھی حق ہے۔ جیسے ایک جگہ آپؐ نے فرمایا: ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''اور یقیناً تیرے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی اسی طرح کا زہد کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپؓ پوری پوری رات نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے بلا کر

© rasailojaraid.com

جواب طلبی فرمائی: ((یَاعَبْدَ اللّٰہِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّھَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ)) ''اے عبداللہ! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور پوری رات نماز پڑھتے ہو؟'' اب وہ حضورﷺ کے سامنے کیسے چھپائیں۔ عرض کیا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ''حضورؐ! ایسا تو یقیناً ہے''۔ آپؐ نے فرمایا: ((فَلَا تَفْعَلْ' صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ' فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا)) ''ایسا مت کرو! روزہ بھی رکھو اور افطار (ناغہ) بھی کرو' رات کو قیام بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ یقیناً تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے''۔ تمہارے اوپر جو بھی حقوق ہیں ان سب کو ایک اعتدال اور توازن کے ساتھ ادا کرو۔

مندرجہ بالا طویل متفق علیہ حدیث کی ایک اور روایت (version) بھی ہے جو سنن النسائی میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین اشخاص کی بات پر حضورﷺ نے باقاعدہ اجتماع میں بھی خطاب فرمایا۔ یعنی ایک تو ان تینوں اشخاص کے پاس جا کر آپؐ نے ان کو تنبیہہ فرمائی کہ یہ میرا راستہ اور طریقہ نہیں ہے' اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) لیکن اس پر مستزاد یہ کہ آپﷺ نے باقاعدہ ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ روایت میں ہے: فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِﷺ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ: ((مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَقُوْلُوْنَ کَذَا وَکَذَا لٰکِنِّیْ اُصَلِّیْ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ' فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) اس روایت سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ حضورﷺ نے جب یہ دیکھا کہ یہ صرف ان تین افراد کا معاملہ نہیں' بلکہ یہ ایک رجحان ہے' اور ممکن ہے یہ چیز مسلمانوں کی جماعت کے اندر زیادہ بڑے پیمانے پر سرایت کر جائے تو حضورﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد وثناء کی' اس کے بعد عمومی الفاظ کی شکل میں فرمایا: ''کیا ہو گیا ہے لوگوں کو کہ ایسی ایسی باتیں کر رہے ہیں؟'' کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا' کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں پوری پوری رات نماز پڑھا کروں گا اور کوئی کہتا

ہے کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا۔ لیکن غور سے سن لو: ’’(میرا طریقہ یہ ہے کہ) میں نوافل بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور روزہ رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں (میں تو ازدواجی زندگی گزار رہا ہوں)، تو جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا (یا جسے بھی میری سنت پسند نہیں ہے) اس کا پھر مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے‘‘۔

اس سے دو باتیں اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ پہلی بات یہ کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ﴾ (الروم: ۳۰) ’’اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے‘‘۔ اس میں اعتدال اور توازن ہے۔ ضبطِ نفس (self control) درکار ہے لیکن نفس کشی (self annihilation) ہرگز پسندیدہ نہیں ہے، یہ رَہبانیت خلافِ فطرت ہے۔ اس کے خلافِ فطرت ہونے کے باعث بسا اوقات انسان اپنے آپ سے شکست کھا جاتا ہے۔ وہ نفس کشی کا فیصلہ تو کر لیتا ہے لیکن اس کی پابندی نہیں کر پاتا (اسی آیت مبارکہ کے آخر میں یہ مضمون آئے گا)۔ اور دوسری بات، جو اصل میں اس climax اور anti climax کے مابین ربط قائم کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام درحقیقت یہ چاہتا ہے کہ انسان کا رُخ اقامت دین کی طرف رہے۔ یعنی وہ انقلابی عمل میں مصروف ہو۔ اس کی اصل توجہ ظلم کے خاتمہ اور باطل کے استیصال کی طرف رہے۔ بدی کے ساتھ پنجہ آزمائی ہو۔ اس کے دوران بھی ظاہر بات ہے کہ تکالیف اور مصائب آئیں گے۔ فاقے بھی آئیں گے، پیٹوں پر پتھر بھی باندھنے پڑ جائیں گے، راتوں کو سونا نصیب نہیں ہوگا۔ مختصراً یہ کہ وہ ساری مشکلات اور مصائب جو خواہ مخواہ ایک تکلف و تصنع کی شکل میں اس نظامِ رہبانیت میں انسان اپنے اوپر طاری کرتا ہے، سب کے سب آئیں گے، لیکن وہ کارآمد (Productive) ہوں گے، اس اعتبار سے کہ معاشرے میں عدل قائم ہو، انصاف کا دور دورہ ہو۔ اور یہ رَہبانیت کا نظام تو درحقیقت ایک اعتبار سے ظلم کو، باطل کو، بدی کو اور شر کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ جو نیک لوگ ہیں وہ میدان سے گویا ہٹ

© rasailojaraid.c

گئے‘ وہ معاشرے کو چھوڑ کر کہیں غاروں کے اندر بیٹھ گئے اور یہ دنیا اب ظالموں اور شریر لوگوں کے لئے خالی ہوگئی اور انہیں کھلی چھوٹ حاصل ہوگئی کہ اور کھل کھیلیں۔ ان کو کوئی چیلنج کرنے والا نہیں رہا۔ اس اعتبار سے میں کہتا ہوں کہ یہ شیطان کا اغوا اور اضلال ہے۔ علامہ اقبال نے ’’ابلیس کی مجلس شوریٰ‘‘ میں اس کی بہترین تعبیر کی ہے۔ ابلیس نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

لہٰذا اس نے اپنے چیلے چانٹوں کو ہدایات دیں کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

اپنی توجہ آیت زیر مطالعہ پر مرکوز کیجئے۔ فرمایا: ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾ ’’رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کی‘ ہم نے اسے اُن پر لازم نہیں کیا تھا‘‘۔ یہاں اس لفظ ’’بدعت‘‘ کو سمجھ لیجئے۔ ایک ہے اجتہاد۔ یعنی کتاب وسنت میں جو اصول دیئے گئے ہیں ان سے اجتہاد کرتے ہوئے نئی صورت حال میں شریعت کا حکم تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔ جبکہ بدعت سے مراد ہے ایک ایسی چیز جس کی کوئی اصل ہے ہی نہیں‘ یعنی بے بنیاد بات۔ اور یہاں پر اِس رَہبانیت کو بحیثیت ایک ادارے‘ نظام اور فلسفے کے قرآن مجید بدعت قرار دے رہا ہے۔ آگے ارشاد ہے: ﴿ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ ﴾ ’’مگر اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں‘‘۔ اس سے دو مفہوم مراد لئے گئے ہیں۔ یہ مقام مشکلاتِ قرآن میں سے ہے۔ یہ بھی جان لیجئے کہ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کا احتمال ہوتا ہے کہ دو مفہوم ہو سکتے ہیں‘ دو امکانات ہیں‘ تو وہاں پر دونوں ہی اپنی جگہ پر قیمتی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ﴿مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾ کی ایک ترجمانی یوں کی جاتی ہے کہ ’’ہم نے نہیں فرض کیا تھا اُن پر کچھ بھی سوائے اس کے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں‘‘۔ یعنی ہم نے یہ تو فرض

کیا تھا کہ اللہ کو راضی کرو' لیکن یہ رَہبانیت ہم نے فرض نہیں کی تھی۔ جبکہ ایک ترجمانی یوں کی گئی ہے کہ انہوں نے جو رَہبانیت کی بدعت ایجاد کی وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے تھی۔ یعنی بدنیتی نہیں تھی۔ بسا اوقات نیکی کا جذبہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر کے بدی کے راستے پر پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا تین صحابہ کرام ؓ کا معاملہ معاذ اللہ کسی بدنیتی پر مبنی تو نہیں تھا۔ نیکی اور خیر کا جذبہ ہی تھا۔ اللہ سے لو لگانے کا جذبہ ہی تھا۔ لیکن بعض اوقات بدنیتی کے بغیر بھی کوئی شے کسی شر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس کے لئے درحقیقت ہمارے پاس تحفظ کا ذریعہ اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ چنانچہ ہمارے اس منتخب نصاب کے درس نمبر۲ [آیۂ بر (البقرۃ:۱۷۷)] کا مضمون یہی ہے کہ نیکی کا ایک ماڈل سامنے ہونا چاہئے جس کے حوالے سے آپ مختلف چیزوں کے مابین نسبت و تناسب کو معین کر سکیں۔ دیکھئے حضور ﷺ نے مختلف تقاضوں کو کس خوبصورتی اور تناسب سے سمویا ہے! حضور ﷺ نے ان چیزوں کے مابین جو امتزاج پیدا کیا ہے اس میں توازن کس درجے ہے! اعتدال کس درجے کا ہے! سیرت النبی ﷺ کا سب سے بڑا حسن یہی جامعیت کبریٰ ہے۔

اس موضوع پر میں نے ایک مرتبہ مقالہ بھی لکھا تھا۔ صدر ضیاء الحق نے سیرت نبویؐ کی کانفرنسوں کا آغاز کیا تھا تو اس میں میرے مقالے کا موضوع یہی تھا کہ حضور ﷺ کی سیرت کا سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی وصف توازن اور اعتدال ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف بلکہ متضاد تقاضوں کو اپنی شخصیت میں سمویا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین!

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وایاکم بالآيات والذکر الحکیم

ضروری اطلاع

حکمت قرآن کا آئندہ شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۴ء کی مشترکہ اشاعت کا حامل ہوگا اور ان شاء اللہ دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں قارئین تک پہنچ جائے گا۔ قارئین اور ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں!

© rasailojaraid.com